کی تحریروں کو دوسرے کاغذ پر نقل کرکے ساتھ لگا دیا۔ اگر وہ نقل کے ساتھ اصل کو بھی جس حال میں بھی تھی محفوظ رکھتے تو یہ ثبوت کے لئے کافی ہوتا۔

سرورق کے صرف پہلے صفحے پر ہی فراھی کا نام ہے۔ اس صورت حال نے کتاب کی استنادی حیثیت کو بہت کمزور کر دیا۔ اب عاصم کے بیان پر اعتماد کرکے ھی اس کو مولانا فراھی کا انتخاب تسلیم کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ دوسرے قرائن بھی اس کی تائید کریں۔ داخلی شہادت میں یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ جن شعراء کا کلام درج کیا گیا ہے اور ان کے جو اشعار لئے گئے ھیں وہ فراھی کی اپنی ادبی شخصیت مذاق اور معیار سے مطابقت رکھتے ھیں یا نہیں۔ اور یہ کام کوئی مزاج شناس فراھی ھی کر سکتا ہے جس کا اپنا ناقدانہ شعور اور ادبی ذوق اتنا بلند ھو کہ وہ پرکھ کر دیکھ سکے۔ کوئی صاحب چاھیں تو طبع آزمائی کر سکتے ھیں۔ سردست میں ھی آئندہ صفحات میں اس نقطہ نظر سے مختصراً جائزہ لینے کی کوشش کروں گا۔ بہر حال اس کتاب کی نسبت سے پہلا بنیادی اور اھم سوال یہی ہے کہ مولانا فراھی کی طرف اس کی نسبت کس حد تک صحیح اور لائق اعتبار ہے۔ اگر اصل سرورق موجود ھوتا اور اس پر ان کا نام درج ھوتا تو یہ اشکال پیدا نہ ھوتا۔ ان حالات میں شعروں کے انتخاب کو دیکھنا ھوگا کہ وہ کیا کہتے ھیں۔ عاصم نعمانی نے اپنی تحریر میں اس جہت سے بعض نکات کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً یہ کہ ان اشعار میں قرآن مجید کے اشباہ و نظائر بکثرت ملتے ھیں جو مولانا فراھی کا خاص انداز ہے۔ یہ نکتہ توجہ طلب ہے مگر تفصیلی جائزہ کے بعد ھی اس سلسلے میں کوئی قطعی بات کہی جا سکتی ہے۔

میرا تیسرا سوال اس کے خط کے بارے میں تھا۔ خط کے بارے میں یہ طے ہے کہ مولانا فراھی کا نہیں ہے۔ اس میں دو رائیں نہیں ھو سکتیں۔ عاصم

نعمانی کا کہنا ہے کہ یہ نسخہ ان کے دادا حکیم یوسف صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حکیم یوسف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریروں سے انہوں نے ملا کر دیکھا ہے اور انہیں یقین ہے کہ یہ خط انہی کا ہے۔ لیکن خط ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ خط کے بارے میں کتاب کے اندر کوئی اندراج موجود نہیں۔ ایسی صورت میں اندازہ اور قیاس ھی لگایا جا سکتا ہے۔ حکیم یوسف صاحبؒ کا خط اگر ثابت ہے تو اس سے مولانا فراھی کے ساتھ ان کی نسبت اور تعلق کے پیش نظر ذھن اس طرف جاتا ہے کہ یہ انتخاب مولانا فراھی کا ہوگا۔ کیونکہ حکیم یوسف صاحب مولانا فراھی کے عزیز بھی تھے اور شاگرد بھی.

سرورق کے بعد فہرست کتاب والے صفحہ پر جو بعد میں لگایا گیا ہے بالکل آخر میں دستخط کے انداز میں " شمیم الدین" لکھا ہوا ہے۔ پہلے میرا خیال تھا کہ کوئی صاحب شمیم الدین ان دو صفحات یا پوری کتاب کے کاتب یا ناقل ہوں گے لیکن عاصم سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے نفی میں جواب دیا اور صراحت سے بتایا کہ شمیم الدین کسی نے یوں ھی لکھ دیا ہے۔ شروع کے دو صفحات یا پوری کتاب کی کتابت سے "شمیم الدین" نامی کسی شخص کا کوئی تعلق نہیں۔

مولانا بدر الدین اصلاحی سے اس کا ذکر آیا اور میں نے ان کی رائے اور رد عمل معلوم کرنا چاھا تو مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ انہوں نے سرے سے اس کو در خور اعتنا اور لائق توجہ نہیں گردانا اور مجھے مشورہ دیا کہ اس قسم کی گری پڑی چیزوں کو اھمیت نہ دیں اور مولانا فراھی کے باقیات میں اس کا ذکر نہ کریں۔

لیکن میرے سامنے یہ سوال تھا اور ہے کہ جب ایک چیز ان کے نام کے ساتھ محسوس اور مرئی شکل میں ٹھوس حقیقت بن کر ثابت و موجود ہے تو اس

کو یوں ھی کس طرح نظر انداز کر دیا جائے۔ سرورق کو الحاقی یا جعلی قرار دے کر رد کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ دوسرے قرائن اور شواھد بھی اس کے حق میں ھوں۔ قدیم جاھلی شعراء کے عربی اشعار کا انتخاب، کاغذ اور سیاھی کی قدامت ، خاندان فراھی کے ایک فرد کے پاس اس کی موجودگی ایسے قرائن ھیں کہ ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا فراھی کے جتنے مسودات ھیں ان میں سے کسی پر بھی ان کا نام درج نہیں ہے مگر چونکہ وہ ان کے اپنے خط میں ھیں اور اس کے مباحث ان کے خاص ھیں اور ان کا حیّز طبعی اپنا ہے اس لئے نام نہ ھونے کے باوجود ان کی نسبت کے بارے میں کسی کو شک و شبہہ نہیں ھو سکتا۔ مگر اس کتاب کو چونکہ وہ درجہ حاصل نہیں اس لئے بعض الجھنیں پیدا ھوتی ھیں۔ اور اس کو آنکھ بند کرکے مولانا فراھی کا انتخاب تسلیم کر لینا درست نہ ھوگا ۔ لیکن ایسا بھی نہیں کہ اس کی طرف مطلق التفات ھی نہ کیا جائے ۔

اجمل اصلاحی اور بعض دوسرے اصحاب کا خیال ہے کہ کسی طالب علم کے لئے مولانا فراھی نے یہ اشعار لکھوا دیئے ھوں گے اور یہ بھی ھو سکتا ہے کہ خود حکیم یوسف کی ضرورت طالب علمی کے لئے انھوں نے یہ انتخاب لکھوا دیا ھو یا نشان لگا کر دے دیا ھو کہ وہ نقل کر لیں۔ خود انتخاب کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی. علاوہ ازیں اپنی ھیئت کذائی کے ساتھ یہ مجموعہ مولانا فراھی جیسے بلند پایہ عالم شاعر اور ادیب کی طرف سے کسی سنجیدہ کوشش کاوش اور اھتمام کا نتیجہ نہیں ھو سکتا۔

کتاب کے آخری صفحہ (۸۰) کی آخری دو سطروں میں (اس صفحے کا عکس مضمون کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں) اس کا سن کتابت واضح طور پر درج ہے جو یوں ھیں۔

"قد تمت هذه النسخة فی شهر جمادی الاولی

لسنة اربع و ثلاثین علی ثلاثة مائة و الف من الھجریة»

یہ نسخہ جمادی الاولی ۱۳۳۴ ھجری میں مکمل ھو۔ ظاھر ہے اس سے اشارہ کتابت ھی کی طرف ھو سکتا ہے نہ کہ جمع و تدوین کی طرف کتاب کے دوسرے صفحہ پر بھی فھرست کے بعد سال کتابت سے متعلق بعینہ یہ الفاظ درج ھیں لیکن چونکہ پہلا اور دوسرا صفحہ اصل کیساتھ کا نہیں ہے بلکہ بعد میں لگایا گیا ہے ،اسکا کاغذ رسم الخط اور سیاھی وغیرہ بالکل حال کی ہے، اسلئے اس کی استنادی حیثیت اس بابے کوئی نہیں ھو سکتی، لیکن آخری صفحے کی آخری دو سطروں کے مذکورہ بالا الفاظ کے بعد اس بیان کے بارے میں کسی شک و شبھے کی گنجائش باقی نہیں رھتی. ان دو سطروں کا رسم الخط کاغذ اور سیاھی ایک دم وھی ہے جو پوری کتاب میں ہے اور جس کی قدامت مسلّم ہے۔ کاغذ رنگ اور خستگی سے بالکل نمایاں ہے کہ وہ اب سے ٦٠۔ ٧٠ سال پہلے کا ہے۔ میری نظر اس باب میں عامیانہ اور سطحی ہے مگر قدیم قلمی نسخوں کے کسی پارکھ سے رجوع کیا جائے تو امید ہے کہ وہ بھی یہی رائے دے گا۔ میں اطمینان کے لئے کسی ماھر سے رجوع کروں گا۔

یہ ضروری نہیں کہ جو اس کتاب کا سال کتابت ہے وھی سال جمع و تدوین بھی ھو لیکن اتنا طے ہے کہ یہ انتخاب ۱۳۳۴ کے بعد کا نہیں پہلے کا ہے۔ اس موقع پر مولانا فراھی کے سنۂ ولادت اور سنۂ وفات کو سامنے رکھا جائے تو اس نسخہ کتاب کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم کرنے میں شاید مدد ملے۔ ھجری تقویم کے مطابق ۱۲۸۰ ھ ان کا سنہ پیدائش اور ۱۳۴۹ھ سنہ ارتحال ہے۔ گویا اس کی کتابت مولانا کی وفات سے ۱۵ سال پہلے ھوئی جب ان کی عمر ۵۴ برس ھو چکی تھی.

اصل کتاب جو تادم تحریر میرے پاس ہے مختصراً اس کا حلیہ اور سراپا بیان کر دیا جائے تو نامناسب نہ ھوگا۔ کتاب اس وقت مجلد حالت میں ہے لیکن

اس کی جلد آج کل کی ہے۔ کتاب کے پشتے پر اوپر نیچے دو جگہ سفید کاغذ کی ٹکلیاں لگی ہوئی ہیں اور ان پر باقاعدہ کتاب کا نام اور نمبر وغیرہ لکھا ہوا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب کسی ایسے کتب خانے یا لائبریری کی زینت رہ چکی ہے جس میں کتابیں باقاعدہ اہتمام کے ساتھ رکھی جاتی تھیں۔ عاصم کے بیان کے مطابق یہ کتاب جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کے ناظم مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی نے دیکھنے کے لئے لی۔ انہوں نے اسے اپنے ادارے کی لائبریری میں داخل کر لیا یہ نمبر انہی کا ڈالا ہوا ہے۔ ۴ ـ ۵ برس تک یہ کتاب جامعۃ الرشاد کی لائبریری میں رہی۔ اس کے بعد واپس ملی۔ اس کی تقطیع ۲۰ x ۳۰ کی ہے۔ کل صفحات ۸۰ ہیں جن میں پہلا دوسرا صفحہ جدید العہد ہے پہلے صفحے پر چار سطروں میں یہ اندراجات ہیں "مختارات من قسم الشعر۔ اختارها۔ الامام المعلم عبد الحمید الفراهی"۔ ڈیش علیحدہ سطر کو ممیز کرنے کے لئے میں نے لگا دیا ہے۔ سرورق کتاب کا نام "مختارات" ہے جبکہ کتاب کے پشتے پر کتاب کا نام المختارات الف لام کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ جلد کے ساتھ علیحدہ سے لگائے گئے ورق پر بھی سرورق کی عبارت لکھی گئی ہے لیکن اس میں المعلم کا لفظ نہیں ہے صرف "الامام عبد الحمید الفراهی" ہے۔ کتاب کے پشتے پر نیچے ۹۵ کا عدد لکھا ہوا ہے جبکہ اندر جلد کے ساتھ والے صفحے پر ۲۲/۵۶۳ رقم ہے۔ دوسرے صفحے پر کتاب کی فہرست ہے جس میں صفحہ نمبر اور شاعروں کے نام ہیں۔ چونکہ اس کے بعد کے صفحہ (عکس ملاحظہ ہو) پر ۳ کا عدد ہے اور یہ صفحہ پہلے اور دوسرے صفحہ کی طرح بعد کا نہیں بلکہ اصل کے ساتھ کا پرانا ہے اس لئے اس سے پہلے دو صفحات کا ہونا ناگزیر ہے۔ صرف دو صفحات ہی ہو سکتے ہیں، نہ زیادہ نہ کم۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دو صفحات معروف طریقے کے مطابق سرورق ور فہرست ہی کے ہو سکتے ہیں۔ صفحہ ۳ سے کتاب شروع ہوتی ہے۔ اس طرح کہ شاعر کے نام کے ساتھ "قال فلان" کرکے

جلی خط میں گویا عنوان قائم کیا گیا ہے۔ اس کے بعد آمنے سامنے دونوں مصرعے لکھ کر اشعار درج کئے گئے ہیں۔ عنوان کے بعد اور اشعار سے پہلے بحر کا نام بھی بالالتزام درج ہے۔ اصل کتاب چونکہ حسب وعدہ کتاب کے مالک عاصم نعمانی کو کسی مناسب وقت پر واپس بھیجنی ہے اس لئے از راہ احتیاط میں نے اس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی تیار کرا لی ہے۔اس کی ایک کاپی میرے پاس ہے اور ایک کاپی ادارہ تحقیقات اسلامی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

کہیں کہیں حاشیے میں پنسل سے نوٹ بھی لکھے ہوئے ہیں جن میں مشکل الفاظ کے معنی اور وضاحتی اشارات ہیں جو فارسی اور عربی میں ہیں۔ ان کے خط سے گمان ہوتا ہے کہ یہ مولانا فراہی کا ہاتھ ہے۔ حاشیہ لکھنے کا انداز بھی انہی کا لگتا ہے۔ مثلاً ص ۳ کے اوپر ایک حاشیہ کی دو سطریں یوں ہیں "فلان لا یعرف الحی من اللیّ - یعنی حق از باطل نشناسد" ایک حاشیہ یوں ہے "افسانہ گویندگاں - مجلس افسانہ" ایک اور حاشیہ یوں ہے۔ "لشکر گـــــراں۔ نامے لشکرے کہ منذر را بود و دیارے است بیمامہ" - صفحہ ۱۰ پر "قال ابو النشناش النهشلي اللّصّ" کے اوپر نمبر ۱ ڈال کر نیچے یہ حاشیہ ہے "؎ وفی حماسة هذه الاشعار مروية بتغير الالفاظ علی ص ۱۲۲" اس طرح کے نوٹ اور بھی ہیں۔ اس کے بعد ص ۵۷ پر یہ نوٹ بھی لائق توجہ ہے۔ "هبت ام مرزم وهی الشمال لأنها تاتی بنوء المرزم و معه المطر و البرد"

حاشیے کے بارے میں عاصم نعمانی سے میں نے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ حاشیے پڑھتے وقت میں نے لکھے تھے۔ لیکن بہ نظر غائر دیکھنے اور پرکھنے کے بعد عاصم کا یہ بیان محل نظر معلوم ہوتا ہے۔ عاصم کے ہاتھ کی تحریر میرے پاس ہے۔ ان کے خط میں اور ان حواشی کے خط میں کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ بعض حاشیے دوسرے ہاتھ کے بھی ہیں جو عاصم کے ہو سکتے ہیں۔ گفتگو کے وقت چونکہ کتاب سامنے موجود نہیں تھی اس لیے زیادہ دو ٹوک بات

نہ ہو سکتی تھی ۔ بہر حال اگر یہ حاشیے مولانا فراھی کے ھاتھ کے ھیں تو اس سے بھی فراھی کے ساتھ اس کتاب کی نسبت کے خیال کو تقویت ملتی ہے۔

معلوم ھوتا ہے کہ کتابت سرکنڈے کے قلم سے کی گئی اور روشنائی بھی گھر کی بنی ہوئی معلوم ھوتی ہے۔ کاغذ دبیز مضبوط اور چکنا ہے رنگت بالکل زرد بلکہ سیاھی مائل زرد ہے۔ اور یہ رنگ کہنگی کا غماز ہے۔ کاغذ یوں تو دیکھنے میں مضبوط نظر آتا ہے مگر موڑنے سے فوراً ٹوٹ جاتا ہے ۔ اس سے بھی کتاب کی قدامت کا اندازہ ھوتا ہے۔

اس مجموعے میں مختلف شعراء کے چھوٹے بڑے کل ۸۱ انتخاب ھیں۔ ان میں سے بعض مشہور شعراء کے نام یہ ھیں۔ درید بن صمہ، امراوالقیس مالک بن نویرہ، مھلھل بن ربیعہ اعشی باھلہ، تأبط شرا، عمرو بن معدی کرب، سلامۃ بن جندل ۔

ان میں سے بعض شاعروں کا نام ایک سے زائد بار بھی آتا ہے۔ ایسے انتخاب بھی ھیں جن کے ساتھ کسی شاعر کا نام نہیں ہے اور " و قال بعضھم" لکھ کر اشعار درج کر دئے ھیں۔ ان میں جو بحریں برتی گئی ھیں اشعار کے اندراج سے پہلے ان بحروں کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ مثلاً ھر انتخاب کے ساتھ درج ذیل بحور میں سے کسی ایک کا ذکر ہے

خفیف، بسیط، رجز، طویل، ھزج، کامل، وافر، سریع، متقارب، منسرح

اس مجموعے میں شامل بیشتر شعراء غیر معروف ھیں اور ان کا کلام عام طور سے متداول نہیں ہے جبکہ بعض انتخابات بغیر نام ھی کے ھیں۔ اگر یہ ثابت ھو جائے کہ یہ مجموعہ مولانا فراھی کا انتخاب کردہ ہے تو اس پر تحقیقی کام ھو سکتا ہے۔ قدیم شعرائے جاھلیت کے دواوین اور مجامیع کی ورق گردانی کرکے تقابلی مطالعہ کیا جائے تو مفید علمی نتائج برآمد ھو سکتے ھیں۔ اس کے لیے دار المصنفین اعظم گڑھ اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانوں